بشیر احمد ڈار

زرتشت اور اُس کا فلسفۂ اخلاق

(۲)

تیسری قسم کا نظامِ اخلاق دوسرے نظام کی طرح بدی کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے انسانوں کو مشورہ دیتا ہے کہ اس کے خلاف ایک سلبی رویّہ اختیار کیا جائے۔ شر کا پُر جوش اور عملی مقابلہ کرنے کی بجائے ایک طرح کا ذہنی اور قلبی رجحان پیدا کرنا ضروری ہے جس سے ظاہر ہو کہ ہم شر کے ان مظاہر کو پسند نہیں کرتے لیکن اس کے خلاف کوئی منظم یا کوئی مثبت اقدام کرنا — اس نظامِ اخلاق کے مطابق نہ صرف غیر مناسب بلکہ ناممکن العمل ہے۔ عیسائیت نے اس دنیا کی بُرائیوں اور اس کے تاریک پہلوؤں پر اتنا زور دیا کہ لوگوں کے ذہن میں یہ تصور سما گیا کہ ان سے نجات انسانی کوششوں سے ممکن ہی نہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا تصور خود انسان کی فطری بدی کا تھا جس کی رُو سے تمام انسان فطرتاً پیدائشی طور پر گناہ سے ملوّث ہیں اور بدی اور گناہ کا یہ داغ ان کو حضرت آدمؑ سے ورثہ میں ملا ہے جس نے ابلیس کے دھوکے میں آکر خدا کے حکم کی نافرمانی کی اور اس کی پاداش میں وہ جنّت سے نکال دیا گیا۔ عہدِ عتیق کی رُو سے دنیا کی موجودہ زندگی اسی سزا کا نتیجہ ہے۔ ان دونوں تصوّرات نے مل کر عیسائیت میں یہ انوکھا نظریہ پیدا کیا کہ خود خدا انسانوں کی شکل میں ظاہر ہوا تاکہ وہ صلیب پر چڑھ کر تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر سکے۔ اس نظریہ کا لازمی نتیجہ اگر ایک طرف انتہائی مایوسی اور قنوطیت تھا جس سے بدی اور نیکی کی جنگ میں عملاً حصّہ لینے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا تو دوسری طرف ایک قسم کی اخلاقی نراج بھی تھا۔ جب حضرت عیسیٰ تمام ان لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر چکے ہیں جو عیسائیت کے دائرہ میں داخل ہو چکے ہیں یا آئندہ ہونگے تو پھر اخلاق و کردار کی اہمیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ عیسائیت میں سینٹ پال اور لوتھر دونوں نے اس غیر اخلاقی عقیدہ کی تبلیغ کی کہ صرف حضرت عیسےٰ پر ایمان لانا نجات کے لئے کافی ہے۔ نیک و بد، اچھے یا بُرے کام اس میں اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ ایسی تعلیم کا نتیجہ عملاً رہبانیت ہے جو لوگوں کو اس چیز کی تعلیم نہیں دیتی کہ حق کے لئے اگر میدانِ کارزار میں بھی اُترنا پڑے تو جان و مال کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے بلکہ جو یہ تعلیم دیتی ہے کہ اس میدانِ کارزار سے ہزاروں میل دور بھاگ جانا چاہئے اور اگر ظالم اور جابر لوگ ظلم و جبر کریں بھی تو صبر سے ان کو برداشت کرنا چاہئے کیونکہ حقیقی امن اور فلاح اسی میں ہے۔ اگر کوئی نفرت اور حقارت سے پیش آئے تو اس سے محبت اور عزت کا سلوک کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی ایک طمانچہ مارے تو دوسرا طمانچہ کھانے کے لئے دوسرا گال پیش کر دینا صحیح مردانگی اور اخلاق ہے۔ تاریخی طور پر یہ اخلاقی نصائح ہمیشہ ناقابلِ عمل رہے ہیں لیکن اگر

ان کی اہمیت کسی حد تک تسلیم کر بھی لی جائے تو یہ صرف انفرادی دائرہ عمل میں تو گوارا کی جا سکتی ہیں۔ اگر اس طرح کی سلبی رواداری معاشرتی دائرہ میں روا رکھی جائے تو شاید تمدنی زندگی ایک مختصر سے لمحہ کے لئے بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ یہاں تو ہر قدم پر شر کے چھوٹے سے چھوٹے مظہر کا مقابلہ تندہی سے کرنا پڑتا ہے، بدی کا ایک معمولی شائبہ بھی بغیر مٹائے نہیں چھوڑا جا سکتا، بدعنوانی اور بدکرداری کو سختی اور شدت سے ختم کرنے کے لئے ہر ممکن ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان بظاہر شاندار نظریات پر نہ کبھی اس دنیا میں عمل ہوا ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔

آں حضرت نے ایک دفعہ فرمایا کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ بدی کے چلن کو روکے۔ اگر ممکن ہو تو ہاتھ سے، یا زبان سے اور اگر یہ کسی سے نہ ہو سکے تو پھر دل میں اس کو برا جانے، لیکن یہ ایمان کی سب سے کمزور شکل ہوگی۔ اس روایت سے یہ چیز صاف ہو جاتی ہے کہ بدی کا مقابلہ کرنا ہر صاحبِ فہم انسان کے لئے اوّلین فرض ہے۔ قرآن میں ایک جگہ صالح بندوں کی تعریف کرتے ہوئے اس فرض کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جو معروف کا حکم دیتے ہیں اور نہی سے دوسروں کو عملی طور پر روکتے ہیں۔ (۹ : ۱۱۲)

چوتھا نظامِ اخلاق وہ ہے جو بدی اور شر کے خلاف ایک عملی اور مثبت اقدام کی نہ صرف دعوت دیتا ہے بلکہ انسانی فلاح و بہبود کا مکمل انحصار اس حکم اور عمل پر رکھتا ہے۔

رہبانی اور وحدت وجودی نظریات کے حامیوں نے اپنے طریقۂ کار کی حمایت میں شر اور بدی کی ماہیت پر بحث کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ بدی کا کوئی علیحدہ وجود نہیں۔ چونکہ وجود بہ حیثیت وجود خیر محض ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی وجود نہیں تو لامحالہ اس سے یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ بدی اور شر کا وجود محض اعتباری ہے۔ وہ چیز جو ہمیں بری معلوم ہوتی ہے درحقیقت اپنی ماہیت کے لحاظ سے ہر قسم کے اخلاقی حکم سے مبرّا ہے۔ اس کا اچھا یا برا ہونا ہمارے عارضی مقاصد اور وقتی تصورات پر مبنی ہے۔ مولانا جامی لوائح میں لکھتے ہیں کہ شر کوئی مثبت حقیقت نہیں بلکہ خیر کا عدم ہے۔ جب کوئی شے اپنی حقیقی ماہیت کو ظاہر کرنے سے عاجز ہو یا حالات کے ماتحت وہ عارضی طور پر ظاہر نہ کر سکے تو اس کمی کو ہم شر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر اس نقطۂ نگاہ کو تسلیم کر لیا جائے تو خیر اور شر کا انفرادی وجود اور اس کی بنا پر اخلاق اور روحانیت کا تمام نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اگر بدی بدی نہیں بلکہ نیکی ہی کی ایک معکوس شکل ہے تو پھر اس زندگی میں کسی قسم کی اخلاقی تگ و دو یا تعمیر سیرت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ لیکن زرتشت کے نزدیک یہ تجزیہ بالکل غلط ہے۔ نیکی اور خیر کی طرح بدی اور شر کا وجود ایک مستقل بالذات حقیقت ہے اور کسی قسم کی منطقی موشگافیوں سے اس کے خطرناک عواقب سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ کائنات میں باہمی توافق اور یکرنگی کے ساتھ ساتھ تصادم اور بگاڑ کے آثار بھی پائے جاتے ہیں اور ایک صحت مند زندگی بسر کرنے کے لئے ان کے خلاف ایک مسلسل جدوجہد انسان کے لئے ایک ضروری امر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کی اپنی داخلی اور نفسیاتی زندگی میں ایک ناگزیر تصادم موجود

ہے اور ایک صحت مند انسانیت کے بقا کے لئے ان خطرناک عوامل پر قابو پانا ناگزیر ہے۔ یہی حالت انسانی سوسائٹی کی ہے۔ اگر اخلاقی اقدار کا استحکام مدِ نظر ہو تو ہر انسان کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ بین الانسانی تعلقات میں سے حسد، بغض، عناد، رنجشوں کو دور کرکے ایک بلند و ارفع مقصد کے لئے آپس میں یک جہتی پیدا کی جائے۔

شر کی اس عالمگیری کو ختم کرنا ہی مذہب اور اخلاق کا مقصد ہے لیکن یہ مقصد محض انفرادی اصلاح اور زندگی سے فرار سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ زرتشت کے نزدیک یہ کافی نہیں کہ ہر انسان اپنے اپنے طور پر نیکی کو اختیار کرے اور بدی سے مجتنب ہو بلکہ ہر شخص اس کوشش میں لگا رہے کہ دوسرے انسانوں کو بھی یہی توفیق نصیب ہو۔ خود نیک بننا اور دوسروں کو نیکی کی ترغیب نہ دینا، خود بدی سے کنارہ کش ہونا اور دوسروں کو بدی اور فواحش میں مبتلا دیکھ کر کوئی تحریک محسوس نہ کرنا ــــ زرتشت کے نزدیک کوئی قابلِ فخر کام نہیں، بلکہ محض ایک سلبی فعل ہے۔ وہ شخص جو کسی خوفناک بیماری کی دوا معلوم کرتا ہے، جو مختلف وبائی امراض پر قابو پانے کے مختلف کامیاب طریقے ایجاد کرتا ہے وہ طبعی شر کی قوتوں کو کمزور کرنے میں ممد و معاون ہے۔ جو انسان کے قلب کی تاریکیوں کو علم و شعور کی روشنی سے دور کرے، جو تعصب اور تنگ نظری کے خلاف علمِ جہاد بلند کرے، جو ظلم و ناانصافی، فسق و فجور، جرم و عصیان کو نسیاً منسیاً کرنے کے لئے میدانِ کارزار میں اُتر پڑے وہی انسان درحقیقت انسانیت کا صحیح خادم، اخلاق کا بہتر علمبردار اور روحانیت کا بلند ترین مظہر ہے۔ طبعی اور اخلاقی بدیوں کا وجود ہر وقت انسانوں کو دعوت دے رہا ہے کہ وہ اس کو ختم کرنے کے لئے ہر ممکن اور جائز طریقوں کو استعمال میں لاکر پوری کوشش کریں اور اس کوشش میں خدا ان کے ساتھ مکمل تعاون کے لئے تیار ہے۔ سپینوزا کا خیال تھا کہ خدا ایک کامل وجود ہے اس لئے اس کے ساتھ کسی مقصد کی نسبت کرنا اس کے کمال کی تنقیص ہوگا۔ بعض دوسرے مفکرین کا خیال ہے کہ اس دنیا میں شر کا وجود خدا کے مصدرِ خیر ہونے کے منافی ہے۔ ان مختلف نظریات کے مقابلہ میں زرتشت کا ایک ہی جواب ہے کہ یہ کائنات مکمل نہیں بلکہ نا تمام ہے اور اب انسان کا فرض ہے کہ اس کام کو اپنے ذمہ لے۔ یزدان اور اہرمن کی مسلسل کش مکش اسی مقصد کے لئے ہے کہ انسان اس میں پوری تندہی سے حصّہ لے اور اپنی پوری قوت یزدان کی مدد میں صرف کرے۔ فتح اور کامرانی آخرکار انسان کی کوششوں کو حاصل ہوگی کیونکہ باطل کے مقابلہ پر حق کی فتح یقینی امر ہے:

جاء الحق وزھق الباطل، ان الباطل کان زھوقا۔ حق ظاہر ہوگیا اور باطل دب گیا، یقیناً باطل مٹنے والی چیز ہے۔

چین میں لاؤزا کے مقابلہ پر کونفیوشس، ہندوستان میں گوتم بدھ کے مقابلہ پر کرشن اور مشرق وسطٰی میں حضرت عیسٰی کے مقابلہ پر زرتشت اسی چوتھے نظریۂ اخلاق کے علمبردار تھے اور اسی لئے نیٹشے نے جب عیسائی رہبانی نظام پر حملہ کیا تو زرتشت کے نام پر اپنی ایک کتاب کو منسوب کیا۔ نیٹشے شاید پہلا مغربی مفکر تھا جس نے اپنی معاصری سوسائٹی کی اخلاقی خرابیوں کو محسوس کیا۔ اس کے خیال میں مروجہ اخلاقی اقدار

جس کو اس نے غلامانہ اخلاق کا نام دیا زوال کا پیش خیمہ ہیں۔ اس لئے ان کو ترک کر کے ایک صحت مندانہ اخلاق کو رواج دینا ضروری ہے۔ اس لئے زرتشت نے نظریۂ خیر و شر کو بہترین سمجھ کر اسے اختیار کیا۔ ان دونوں کے نزدیک انسان کا فرض ہے کہ وہ زندگی کے ہر پہلو اور ہر کونے میں شر کی قوتوں کا مقابلہ کرے تاکہ خیر اور بھلائی کی قوّتوں کو تقویت ہو۔ نیٹشے نے خدا کا انکار کیا تو صرف اس لئے کہ انسان اکثر اپنی تمام ذمہ داری اپنے کندھوں سے اُتار کر خدا کے سپرد کر دیتے ہیں اور خود اس کش مکش سے فرار اختیار کر لیتے ہیں۔ اس نے اعلان کیا کہ "خدا اب مر چکا ہے" اور خیر و شر کی جنگ ہنوز اسی طرح بلکہ پہلے سے بھی زیادہ خطرناک حالت میں ہمارے سامنے ہے اس لئے اب ہمارا فرض ہے کہ تمام پُرانے غلط تصوّرات کو ذہن سے خارج کر کے اس جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ زرتشت اس حد تک نیٹشے کا ہم نوا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے نزدیک اس جنگ میں حصّہ لینا انسان کا اپنا کام ہے لیکن اگر وہ ہمت سے ایک قدم اُٹھائے گا تو تائید ایزدی سے اس کا ہر قدم فیصلہ کن ثابت ہو گا۔

نیٹشے کی تمامتر کوشش کا مقصد کامل افراد پیدا کرنا تھا اور زرتشت کا مطمح نظر ایک صالح انسان کی تعمیر۔ نیٹشے چند انسانوں کی تخلیق کا خواہش مند تھا جو عوام کالانعام کی راہبری کر سکیں۔ زرتشت کے سامنے انہی عوام کی قلب ماہیت تھی تاکہ وہ اپنی اور اپنے جیسے دوسروں کی اصلاح کر سکیں اور اس طرح ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے جس سے یہ دُنیا اور اس کی زندگی میں چین، امن، انصاف اور عدل کا رواج ہو۔

زرتشت کے ہاں زندگی مابعد الموت کا تصوّر بہت نمایاں نظر آتا ہے اور یہی اس کی خصوصیّت ہے۔ مغربی ناقدین کی رائے ہے کہ یہ تصوّر یہودیت کی ابتدائی کتابوں میں موجود نہیں۔ سیاسی زوال کے بعد جب بنی اسرائیل جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے تو اس وقت وہ زرتشتی دین سے دوچار ہوئے اور یہیں سے اُنہوں نے مابعد الموت زندگی کے مختلف تصوّرات حاصل کئے۔ لیکن یہ تنقید حالات کے غلط تجزیہ کا نتیجہ ہے۔ قرآن کی رُو سے انسانوں کی ہدایت کا کام خدا کے ذمہ تھا اور اس لئے مختلف تاریخی ادوار میں ہر جگہ پیغمبر آتے رہے جنہوں نے انسانی فلاح و بہبود کے صراط مستقیم کی نشان دہی کر دی۔ خدا کے وجود، اس کی توحید، حیات مابعد الموت کے عقیدوں کی تشریح اسی مقصد کا ایک جزو تھی جو مختلف رسولوں نے اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے زمانہ میں کر دی۔ اگر یہودیوں کی کتب مقدسہ میں حیات مابعد الموت کی تفصیلات نہیں ملتیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُنہوں نے یہ تصوّر بعد میں مزدیسنا کے پیروؤں کے ذریعہ حاصل کیا بلکہ یہ اس چیز کا بیّن ثبوت ہے کہ ان کتابوں میں تحریف ہو چکی تھی یا وہ اصل کتابیں زمانے کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہ سکیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ ناقابلِ تردید ہے کہ زرتشت نبی کی تعلیم میں حیات بعد الموت کا تصوّر تمام سامی مذاہب، یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے عقائد سے بہت زیادہ مماثل ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہو گا کہ مزدیسنا کی تعلیم کا منبع وہی مصدر ہدایت ہے جس نے دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف نبیوں کے ذریعے انسانوں کی دینی راہنمائی کی۔ اگرچہ زرتشت خالص آریہ اقوام میں پیدا ہوُا اور انہی کے ایک گروہ کی ہدایت کا کام اپنے ذمہ لیا لیکن اس کا دین حیات بعد الموت کے تصوّر کے

لحاظ سے باقی تمام آریہ اقوام سے ممتاز ہے۔ ہندوستان اور یونان میں آریوں نے تناسخ اور آواگون کے چکر کے نظریات پیش کئے اور اسی کے نتیجہ میں ان کے ہاں قنوطیت اور زندگی سے فرار کا تصور نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس زرتشتی نظام فکر میں اس زندگی کی اہمیت اور موت کے بعد کی زندگی کے تصورات باقی سب سامی مذاہب کے اس قسم کے تصورات سے مشابہ ہیں۔

زرتشتی نظام میں ہر انسان تین چیزوں سے مرکب ہے جسم، زندگی اور روح۔ روح چونکہ مادی اور نامیاتی حقوں کے وجود میں آنے سے پہلے موجود تھی اس لئے وہ ابدی اور لافانی ہے۔ وہ پیدائش کے وقت جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور موت کے بعد جُدا ہو جاتی ہے۔ تن اور روح کا تعلق گھوڑے اور گھوڑے سوار کا سا ہے۔ رہبانی نظام اخلاق کے برعکس زرتشت نے جسمانی صحت اور طہارت کی مناسب اہمیت کا اقرار کیا چنانچہ بدنی طہارت زرتشتوں کے ہاں آج تک مذہبی اعمال میں شامل ہے۔ اسی مقصد کے تحت روزے رکھنے کی ممانعت کی گئی کیونکہ اس سے جسمانی صحت کو نقصان پہنچتا ہے اور روزہ رکھ کر انسان نیکی اور بھلائی کے کام نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وندیداد میں لکھا ہے:
"اس اصول کو یاد رکھو، وہ شخص جو کھانے سے پرہیز کرتا ہے اس قابل نہیں ہوتا کہ نیکی کا کام کر سکے، زراعت کی ذمہ داری برداشت کر سکے یا طاقتور بچے پیدا کر سکے۔ ساری مادی دنیا خوراک کے ذریعہ قائم ہے، فاقہ سے وہ مر جاتی ہے۔"

طہارت صرف انسانی جسم کی ضروری نہیں، بلکہ پانی، آگ، ہوا اور مٹی سبھی اجزا کو پاک اور صاف رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ زرتشتی اخلاق کو سمجھنے کے لئے یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ زرتشت کی تعلیم و تبلیغ کا سارا دارومدار دو اہم باتوں پر تھا۔ ایک طرف مختلف دیوتاؤں کی پرستش ترک کر کے خدائے واحد کی عبادت اور دوسری طرف خانہ بدوشی کی زندگی کو ترک کر کے تمدنی زندگی کا اختیار کرنا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کی قوم صحرانوردی کو ترک کر کے شہروں میں آباد ہونا سیکھ لے۔ اس لئے اس کے نظام اخلاق میں کاشتکاری اور اس کے متعلقہ امور کے متعلق خاص ہدایات ملتی ہیں۔ پانی، آگ، ہوا اور مٹی کی پاکیزگی کا حکم بھی اسی ضمن میں آتا ہے اور اسی لئے زرتشت نے مُردوں کو دفن کرنے یا آگ میں جلانے یا دریا میں پھینک دینے کی ممانعت کر دی۔ ان کے ہاں رواج تھا کہ اونچی جگہوں پر میّت کو رکھ دیتے تھے تاکہ جانور اس کو کھا جائیں اور اس طرح پانی، ہوا، مٹی اور آگ نجاست سے بچی رہیں۔

اس کے اخلاقی نظام میں انسان کے اختیار کو نمایاں حیثیت دی گئی ہے۔ جب انسان کی فلاح کا تمام دارومدار خیر و شر کی جنگ میں حصّہ لینا اور خیر کی قوتوں کا ساتھ دینا ہے تو اس سے لازمی طور پر اس کے اختیار کی آزادی کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس کے ہاں کسی قسم کے رہبانی توکل اور جبریہ عقائد کی گنجائش ہی نہیں۔ شریعت نے جو قانون اس کے سامنے رکھا ہے، اس پر چل کر انسان اپنے مادی اور روحانی مقاصد حاصل کر سکتا ہے اور

اس طرح خدا کی رضا اور خوشنودی سے بہرہ ور ہوسکتا ہے۔ خود مسلمانوں میں یہ تصور موجود تھا کہ مجوس خالص قدری گروہ سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ محمود شبستری گلشنِ راز میں کہتا ہے :

ہر آں کس را کہ مذہب غیر جبر است　　نبی فرمود او مانند گبر است

نیک اعمال کا بدلہ اور اجر زرتشت کے نزدیک دونوں جہانوں میں ملتا ہے۔ چنانچہ جہاں کسی محنتی آدمی کا ذکر ہے جس نے کھیتی باڑی میں پوری تندہی سے کام کیا تاکہ لوگوں کو بھوک، پیاس، بیماری اور فاقہ سے محفوظ کرے، وہاں اس کی نیکی کا اجر اگر آخرت میں نجات اور سعادت ہے تو اس دنیا میں اسے مویشیوں کی بہتات اور غلّے کی فراوانی بھی میسر آئے گی۔ لیکن اس کے باوجود یہودیوں کی طرح زرتشت نے اپنے پیروؤں کی نگاہ کبھی اس دنیا کی کامیابی تک محدود نہ رکھی بلکہ آخرت کی بہتر اور اعلیٰ زندگی کا نقشہ ہمیشہ قائم رکھا۔ اس کے نزدیک انسان کی تمام کوششوں اور تمناؤں کا آخری اور پائدار نتیجہ وہی زندگی ہے جہاں وہ اپنے رب و مولا اہورامزدا سے ملاقات کرسکے گا۔ اس دن صرف اس کے اعمال ہونگے، کسی آقا یا پیر کی سفارش کام نہ آسکے گی۔ کوئی دوسرا شخص اس کے بُرے کاموں کا بوجھ اُٹھا نہیں سکے گا — صرف اس کے اپنے اعمال اس کی سعادت یا شقاوت کا باعث ہونگے۔ اس کے نیک خیالات، نیک الفاظ اور نیک اعمال جنّت کی کنجی ہیں۔ اس کے بُرے خیالات الفاظ اور اعمال ہی جہنّم کا راستہ تیار کرتے ہیں۔ جس کے مجموعی اعمال میں نیکی کا پلڑا بھاری ہوگا وہی فلاح پائے گا جس کے مجموعی اعمال میں بدی کا پلڑا بھاری ہوگا، وہ خاسر و نامراد ہوگا۔ جنّت کے لئے جدید فارسی میں لفظ بہشت ہے جو اوستا کے لفظ وہشتہ سے ماخوذ ہے۔ وہشتہ کے معنی بہترین کے ہیں۔ آج اچھا ہونے کی کوشش کرو، کل سے بہتر اور اس سے اگلے دن بہترین اور اس مسلسل کوشش کا نتیجہ بہشت اور حیاتِ جاودانی ہے۔

اس زندگی کے اختتام پر ایک ایسا دَور ضرور آئے گا جب شر اور بدی کی تمام قوتوں کا استیصال ہوسکے گا اس وقت ایک آخری نبی نمودار ہوگا جو اس دنیا میں خیر اور نیکی کو رائج کرنے میں کامیاب ہوگا۔ اس کے بعد قیامت یعنی رستاخیز ہوگی جب تمام انسان زندہ کیے جائیں گے اور بدی کی روحوں کو جہنّم سے نکال کر ان کے گناہوں سے پاک کیا جائے گا۔ اس کے بعد ہمیشگی کی زندگی جس میں بڑھاپا، کمزوری، موت، بیماری، غم، دُکھ سب غائب ہونگے۔ اس وقت اہرمن سے کیا سلوک ہوگا؟ اس کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ لیکن چونکہ اس چیز کا اعلان موجود ہے کہ شر اور بدی کا مکمل استیصال ہوجائے گا تو اس سے یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ اہرمن کی شر انگیز قوتوں کا بھی خاتمہ ہوجائے گا۔ بدی تبھی ناپید ہوگی جب بدی کا منبع و مصدر ابلیس اپنی فطرت صحیحہ پر دوبارہ آجائے گا۔

لیکن زرتشت کے نزدیک ضروری نہیں کہ یہ دَور اس کائنات کے آخری حصّہ میں نمودار ہو۔ اس کے قول کے مطابق اگر تمام بنی نوع انسان اس کش مکش حیات میں نیکی کی قوتوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوجائیں اور

اپنی تمام کوششوں کو اس مقصد عظیم کے حصول پر مرکوز کردیں، تو یہ چین و امن، عدل و انصاف کا دور ہر وقت اور ہر زمانے میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور زرتشتی نظام اخلاق کا تمام مقصد ایسے ہی مکمل معاشرہ کو وجود میں لانا تھا۔

"اے اہورا مزدا میں تم سے پوچھتا ہوں، وہ سچا اور نیک انسان جو اپنے خاندان، اپنی قوم اور اپنے ملک کی بھلائی اور بہتری میں کوشاں ہوں، وہ تمہارے جیسا کیسے ہوسکتا ہے؟

"وہ کب تمہاری رضا کو حاصل کرسکے گا؟ اس کے کون سے اعمال تمہیں زیادہ پسندیدہ ہونگے؟ ہر اس آدمی کے لئے جو ہوش و عقل رکھتا ہے، جو غور و فکر کرسکتا ہے، وہ شخص جو ہر حالت میں پوری قوت کے ساتھ راستی کا علم بلند رکھے، جو اپنے الفاظ اور اعمال میں سچائی کا نمونہ ہو — وہی شخص اے مزدا اہورا تیرا بہترین مددگار ہے۔

"وہی شخص اے امزدا اہورا، جو تیرا حقیقی معنوں میں دوست ہے، تیرے انعامات کا مستحق ہے جو اس فانی دنیا میں صحت، خوشی اور دولت کی شکل میں ہوگی اور آخرت میں ابدی زندگی کی شکل میں۔ اس شخص کو ہمیشگی کے لئے تم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوگا اور وہی نفس پاک کی طاقت سے سرفراز کیا جائے گا۔"

زرتشت کے فلسفۂ اخلاق کی بنیاد تین چیزوں پر ہے: اندیشۂ نیک، گفتار نیک، کردار نیک۔ ان کے مقابلہ پر تین چیزوں سے بچنے کی ہدایت ہے: اندیشۂ بد، گفتار بد اور کردار بد۔ فردوسی نے شاہنامہ میں ان تینوں چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

هر آں کس که اندیشهٔ بد کند بفرجام بد با تن خود کند
رخ مرد را تیره دارد دروغ بلندیش هرگز نگیرد فروغ
کسے کو بود پاک یزداں پرست نیازد به کردار بد هیچ دست

ان کی بنیاد پر سارے اخلاق کی تعمیر ہوتی ہے۔

اے اہورا مزدا! اے اشائے زیبا! ہم اپنے لئے ایک ایسی چیز منتخب کرنا چاہتے ہیں اور ایسا اندیشۂ گفتار و کردار بجالائیں کہ دونوں جہانوں میں بہترین ہو۔"

"اے اہورا مزدا! ہم اس پیغمبر کے کلام کے خواستگار رہیں تاکہ راستی کے بہترین تصور کو لوگوں میں پھیلائیں۔

"اے اہورا مزدا! پاک خیالی، راستی اور درستی، کردار و گفتار و آئین نیک کی مدد سے تیرا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

اے مزدا اہورا! تیری ثنا کرتے ہیں اور تیرے سپاس گزار ہیں۔ اندیشۂ نیک، گفتار نیک اور کردار نیک سے تیرا قرب چاہتے ہیں۔"

"اے اہورا مزدا شاید کہ ہم دیکھ سکیں، شاید کہ تمہارا قرب ہمیں حاصل ہو، شاید تیری ہمیشہ کی دوستی ہمیں میسر ہو — بہترین و بالاترین راستی کے ذریعے۔"

"اب میں چاہتا ہوں کہ اس کشور کو جو اندیشۂ کردار و گفتار نیک کا مقام ہے، اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ میں نے

راستی کے توسط سے آہورا مزدا کو پہچانا۔"

ان اقتباسات میں لفظ راستی اوستا کے لفظ اشا کا ترجمہ ہے۔ لیکن اشا زرتشتی اخلاق میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے اور اس کا مفہوم بہت وسیع ہے یہ ایک اخلاقی قانون ہے جس کے مطابق کائنات کی تخلیق ہوئی اور جس کے مطابق وہ آج تک اپنے فرائض سرانجام دے رہی ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ اسی اشا یعنی راستی پر گامزن ہو کیونکہ اسی سے وہ آہورا مزدا کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے مفہوم میں تربیت، یکسانیت، ہم آہنگی، ضبط نفس اور تمام وہ افعال جن میں خلوص، راستی اور صلہ رحمی مضمر ہو شامل ہیں۔ اعمال و کردار کی ہم آہنگی اور ضبط نفس سے راستی اور تقوٰے پیدا ہوتا ہے بے آہنگی اور انقطاع روابط سے فسق و فجور۔ اشا سے انسانی روابط کا قیام اور دروج (یعنی دروغ) سے روابط کا انقطاع۔ اس لئے زرتشتی اخلاق میں ہر انسان کا فرض ہے کہ اشا یعنی تقوٰے اور قانون راستی کی مکمل پابندی کرے۔ اسی حقیقت کو قرآن نے مندرجہ ذیل آیت میں ذکر کیا ہے!

الذین ینقضون عهد اللّٰه من بعد میثاقه ویقطعون ما امر اللّٰه به ان یوصل و یفسدون فی الارض اولٰئك هم الخاسرون۔

وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ کر بعد میں توڑ دیتے ہیں، اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، حقیقت میں یہی لوگ نقصان اٹھانیوالے ہیں

اسی طرح ایک دوسری جگہ مذکور ہے:

الذین یوفون بعهد اللّٰه ولا ینقضون المیثاق والذین یصلون ما امر اللّٰه به ان یوصل ویخشون ربهم ویخافون سوء الحساب۔

وہ شخص جو اللہ کے عہد کے پابند اور میثاق کو نہیں توڑتے، اور جو اس کو جوڑتے ہیں جس کے جوڑنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اور اپنے رب کی خشیت سے بہرہ ور اور برے حساب سے ڈرتے رہتے ہیں۔

ان دونوں جگہ قرآن یہ ذہن نشین کرانا چاہتا ہے کہ انسان کی اخلاقی زندگی کا دارومدار ایک ایسے قانون پر ہے جس میں چند روابط کا قیام اور استحکام انسان کی اجتماعی وانفرادی فلاح کے لئے ناگزیر ہے۔ روابط کے انقطاع سے مراد ہر وہ خرابی ہے جس سے انفرادی، معاشری، قومی، بین الاقوامی معاملات میں فسق و فجور پیدا ہوتا ہے۔ زرتشتی اشا یا تقوٰی قرآن کی زبان میں انسانی روابط کا استحکام ہے۔ اسی کے قیام اور استحکام پر فلاح کا دارومدار ہے۔ چنانچہ ہوم یشت میں اہورا مزدا کہتا ہے: "میں ان کے ساتھ ہوں جو دنیا میں امن کو قائم رکھتے ہیں، ان کے ساتھ نہیں جو دنیا میں فساد پیدا کرتے ہیں۔" یسنا ۷۲ بند ۱۱ میں مذکور ہے: راستہ صرف ایک ہے اور وہ اشا یعنی راستی اور تقوٰے کا راستہ ہے۔ باقی سب راستے غلط اور گمراہ کن ہیں۔" گاتھا اشتود میں مذکور ہے: "جو شخص کسی دوسرے کو راستی اور درستی کا راستہ دکھائیگا وہ اس دنیا میں جو اہورا مزدا کی رہائش ہے خیر کثیر پائے گا۔" تمام یونانی مورخوں نے متفق الزبان ہو کر اس چیز کا ذکر کیا ہے کہ ایران قدیم میں تین چیزوں کی تعلیم ضروری سمجھی جاتی تھی: گھوڑے کی سواری، تیر اندازی اور سچ بولنا۔ زرتشتی ایران میں جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ شمار ہوتا تھا اور اس کے بعد قرضدار ہونا کیونکہ ان کے نزدیک قرضدار کے لئے جھوٹ بولنا بعض دفعہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔